کتاب نما

رودادِ قفس، جلد دوم: سید علی گیلانی۔ ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز ایف ۷/ مرکز اسلام آباد۔ صفحات: ۳۱۲۔ قیمت: ۱۲۰ روپے۔

اس کتاب کا پہلا حصہ ایک برس پہلے شائع ہوا تھا۔ (اس پر تبصرہ، فروری ۱۹۹۴ء) زیر نظر حصہ، اسی تسلسل میں جزو ۴۴ سے ۷۰ پر مشتمل ہے۔ آپ بیتی کا یہ حصہ سنٹرل نینی جیل الہ آباد اور "روز فارم" مانڈی کے زمانہ اسارت کی روداد پر محیط ہے۔

سید علی گیلانی کی یہ آپ بیتی روایتی قسم کی داستان حیات نہیں، بلکہ پسِ دیوارِ زنداں گزرے ہوئے ماہ و سال کا ایسا تذکرہ ہے، جو اپنے اندر لکھنے والے کے محسوسات، واردات اور ذہنی ردِّعمل کے علاوہ اس کے رفقائے زنداں کے شب و روز، اہلِ وطن کی حالتِ زار، بھارت کی نام نہاد سیکولر جمہوریت، جدوجہد آزادی اور جہاد کشمیر کی پوری ایک داستان لیے ہوئے ہے۔ دلچسپ، دل گداز، معلومات افزا اور عبرت انگیز و سبق آموز۔

جیل میں اسیروں کی حالت کیا تھی؟ علی گیلانی بتاتے ہیں: "گرمیوں کی شدت، کال کوٹھڑیوں کی تنگی، پنکھوں سے محرومی، لیمپ اور ٹیوب کی اضافی گرمی، کھدر کے کھردرے کپڑے، پانی کی راشن بندی، ناقص اور ناموافق غذا، دودھ دہی کی شکل تک دیکھنے سے محرومی، ان سب اسباب نے ہماری زندگی بڑی تلخ بنا دی تھی اور ہم لوگ جسمانی اعتبار سے روز بروز نڈھال ہوتے جا رہے تھے" (ص ۷۷)۔ لیکن زندانی کمال صبر و استقامت سے ہر طرح کے مصائب و شدائد اور سختیاں برداشت کرتے رہے کہ وہ قلبِ سلیم اور ایمانِ مستقیم کی دولت سے مالا مال تھے۔

سید علی گیلانی نے "دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت" ہونے کی دعویدار حکومت کے اوچھے ہتھکنڈوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ سنگ دلی، بے انصافی، آئین و قانون کی پامالی، سیاسی انتقام اور سامراجی طور طریقے، وہ کہتے ہیں کہ گذشتہ ۴۳ برسوں میں بھارت میں اقلیتوں پر دل دہلا دینے والے ظلم ہوئے ہیں، جن کے رستے ہوئے زخموں نے بھارت کے سیکولرازم اور جمہوریت کے چہرے کو داغ دار اور

گھناؤنا بنا کر رکھ دیا ہے۔ اب گنگا اور جمنا کا پانی بھی اسے صاف نہیں کر سکتا (ص ۲۵)۔ اور جنس انسانی کے ساتھ جو زیادتیاں بھارت میں رکھی جاتی ہیں وہ شاید دنیا میں اور کہیں نہ پائی جاتی ہوں (ص ۲۳)۔ علی گیلانی کو تشویش ہے کہ "بھارت کا سماج اخلاقی اور انسانی قدروں کے لحاظ سے بڑی تیزی سے روبہ زوال ہے"۔

"رودادِ قفس" کا یہ حصہ بھی، پہلے حصے کی طرح سادہ و صاف نثر میں لکھا گیا ہے۔ علی گیلانی کا اسلوب ان کے شعری و ادبی ذوق کا آئینہ دار اور وسیع تر مطالعے کا شاہد ہے۔

اس کا مقصدِ تالیف بقول مولف: مطالعے یا لکھنے کی "خوش گوار مشق" نہیں، بلکہ "اہل کشمیر کے دکھی دلوں کی تڑپ اور رستے ہوئے ناسوروں کی جلن بانٹنا" ہے۔ یہ کتاب اردو کے زندانی ادب میں ایک قابل توجہ، بلکہ ناقابل فراموش اضافہ ہے۔ (ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی)

زندگانی کی گزرگاہوں میں: ملک نصراللہ خاں عزیز (مرتب: اختر حجازی)۔ ناشر: تسنیم پبلی کیشنز چوک اردو بازار لاہور۔ صفحات: ۵۰۲۔ قیمت: ۱۵۰ روپے۔

ملک نصراللہ خاں عزیز (۱۸۹۷-۱۹۷۶) اپنے عہد کے ممتاز صحافی تھے۔ ان کا شمار ابوالکلام آزاد، ظفر علی خاں، چراغ حسن حسرت، غلام رسول مہر، عبدالمجید سالک اور مرتضیٰ احمد خاں میکش جیسے اکابرِ صحافت کی صف میں ہونا چاہیے۔ ایک بااصول انسان اور صاحبِ عزیمت و کردار صحافی کی حیثیت سے ان کا نام برعظیم کی صحافتی اور ادبی تاریخ میں ہمیشہ ممتاز رہے گا۔ ایک زمانے میں وہ راجا صاحب محمود آباد کے اخبار ہمدم کے ایڈیٹر مقرر ہوئے، مگر ان کی تحریریں راجا صاحب کو خوش نہ آئیں۔ انھوں نے اعتراض کیا کہ میں اپنے اخبار میں اپنے مسلک کے سوا کسی شے کا چھپنا پسند نہیں کرتا۔ ملک صاحب کا جواب تھا: "بلاشبہ اخبار آپ کا ہے مگر قلم میرا ہے اور میں اس سے وہی کچھ لکھوں گا جس کو صحیح سمجھتا ہوں"۔ راجا صاحب کے لیے یہ چیز ناقابل برداشت تھی۔ انھوں نے اس روز کے اخبار کی پوری اشاعت نذرِ آتش کر دی۔ ملک صاحب یہ کہہ کر ادارت سے الگ ہوگئے کہ میں قلم کو روپے کے عوض فروخت نہیں کروں گا۔

ایک زمانے میں ملک صاحب، مولانا ابوالکلام آزاد کی دعوت "الہلال" کے مداح رہے، بعد ازاں جماعت اسلامی سے وابستہ ہوگئے۔ دنیاوی حیثیت میں بھی انھوں نے ایک کامیاب و بامراد زندگی گزاری۔ اس کا راز کیا تھا؟ زیرنظر یادداشتوں میں ایک نکتہ توجہ طلب ہے۔ کہتے ہیں: مجھے والدین کی طرف سے پابندی نماز کی خاص ہدایت تھی، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی توفیق بخشی، اور اگر آج

میں یہ کہوں کہ نماز کی پابندی نے میری پوری زندگی کا نقشہ مرتب کیا تو غلط نہیں ہو گا۔ میں نے یہ دیکھا کہ نماز قفلِ زندگی کی کلید ہے۔ میں نے نماز باجماعت پر کسی بڑے سے بڑے اور ضروری سے ضروری کام کو بھی ترجیح نہیں دی۔ اس سے مجھے ناقابل بیان روحانی، قلبی، ذہنی اور جسمانی فیض حاصل ہوا، اور میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جو کام نماز کو پس پشت ڈال کر کیا جائے اس میں برکت ہرگز نہیں پڑ سکتی، لیکن اگر نماز کی وجہ سے کسی کام کو موخر کر دیا جائے تو ان شاء اللہ اس کام میں خرابی واقع نہیں ہوگی (ص ۱۵۱-۲۲۵)

ملک صاحب نے ایک زمانے میں اپنی یادداشتیں لکھنا شروع کی تھیں (ایشیا۔ اردو ڈائجسٹ)، زیرنظر کتاب میں انھی یادداشتوں کو جمع کیا گیا ہے۔ ان میں لکھنے والے کے ذاتی احوال و کوائف، تجربات و مشاہدات اور تاثرات بھی ہیں، اور اپنے دَور کی تاریخ، سیاست، صحافت، مذہبی اور سماجی تحریکوں، شخصیتوں اور رجحانات کا تذکرہ بھی۔ مولانا آزاد، مستری محمد صدیق، مولانا مودودی، ظفر علی خان، مولانا احمد علی، عبدالمجید سالک، اسی طرح ہندو ذہن، کانگریس کی سیاست، قادیانی تحریک، مجلس احرار، مولانا آزاد کی "حزب اللہ"، جماعت اسلامی کی تحریک اقامت دین، اور دیگر بہت سی شخصیات اور سیاسی و معاشرتی رجحانات کی دلچسپ تفصیل اور واقعات۔

ملک صاحب ایک منجھے ہوئے ادیب اور قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ ان کا اسلوب سہل اور رواں دواں ہے۔ یہ کتاب اردو کے خودنوشت ذخیرۂ ادب میں ایک گراں بہا اضافہ ہے۔ اگرچہ مرتب نے یادداشتوں کی اقساط، تلاش کرنے میں محنت کی ہے، مگر ان کی خاطر خواہ تدوین نہیں ہو سکی۔ بعض مقامات پر ضروری وضاحتوں اور حواشی کا اہتمام کر لیا جاتا تو کتاب کی افادیت دوچند ہو جاتی۔ املا اور پروف کی درستی کی طرف بھی توجہ نہیں دی جا سکی۔ (ر-ہ)

مولانا ابوالکلام آزاد، ایک نادر روزگار شخصیت: مولانا غلام رسول مہر (مرتب: محمد عالم مختار حق)۔ ناشر: مہر سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ ۱۳۔ اسلام سٹریٹ مسلم ٹاؤن لاہور۔ صفحات: ۲۸۸۔ قیمت: ۱۵۰ روپے۔

مولانا ابوالکلام آزاد برعظیم کی ایک نابغہ شخصیت تھی۔ اگرچہ تحریک آزادی میں کانگریس کی ہم نوائی کی وجہ سے بعض مسلم حلقوں میں ان کی شہرت متاثر ہوئی لیکن البلال اور البلاغ کے مدیر، ایک صاحب طرز ادیب، حریت پسند راہ نما اور ممتاز عالم دین کی حیثیت سے انھیں علمی حلقوں میں ہمیشہ پذیرائی حاصل رہی ہے۔ پاکستان میں ان کے حوالے سے جو علمی کام ہوا ہے، اس میں مولانا غلام

رسول مہر کی کاوشیں اور نگارشات خاص طور پر جاذب توجہ ہیں۔ زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں آزاد کے ایک مداح محمد عالم مختار حق نے ان کے مضامین کو یکجا کر دیا ہے۔

مہر صاحب ' مولانا آزاد سے ۱۹۱۳ میں متعارف ہوئے اور پھر ان کی تحریکوں ''حزب اللہ'' اور ''نظم جماعت'' کے رکن بنے۔ آزاد سے ان کی عقیدت و محبت کا رشتہ تقریباً نصف صدی کی مدت پر محیط ہے۔ اگرچہ ملکی و سیاسی معاملات میں انھوں نے آزاد کی رائے سے شدید اختلاف بھی کیا لیکن وہ ان کی دینی عظمت ' شخصی فضائل اور قومی خدمات کے ہمیشہ معترف رہے۔ انھوں نے مولانا آزاد سے دلی وابستگی کا بے مثال ثبوت دیا اور ان کی تصانیف کی ترتیب و تدوین ' سیرت و سوانح کی تالیف اور افکار کی تشریح و ترجمانی کے سلسلے میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ان میں ''نقش آزاد'' ' ''تبرکات آزاد'' ' ''باقیات ترجمان القرآن'' ' ''رسول رحمت'' اور ''انبیائے کرام'' نسبتاً اہم ہیں۔ انھوں نے India Wins Freedom کا اردو ترجمہ بھی کیا جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ وہ مولانا آزاد کی سوانح عمری بھی لکھنا چاہتے تھے مگر یہ مکمل نہ ہو سکی۔ انھوں نے مولانا آزاد پر اپنے مضامین کا انتخاب کر لیا تھا لیکن موت نے ترتیب و تدوین کی مہلت نہ دی۔ محمد عالم مختار حق نے ان کی سولہ نگارشات کو نہایت خوبی اور عمدہ طریقے سے مرتب کر کے آزاد صدی کی مطبوعات میں مفید اضافہ کرنے کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ انھوں نے تمام مضامین کے ماخذ کی نشان دہی کر دی ہے اور حسب موقع حواشی و تعلیقات بھی دے دیے ہیں۔

آغاز میں تقریباً پچاس صفحے پر مشتمل مبسوط مقدمے میں ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہان پوری نے مولانا مہر کی آزاد شناسی کا بھرپور جائزہ لیا ہے۔ اس کتاب میں شامل جملہ مضامین زور استدلال کے ساتھ ساتھ مولانا مہر کے مخصوص طرز نگارش کے حامل ہیں اور اس بنا پر جاذب توجہ ہیں۔ اس سے پیشتر علامہ اقبال پر مولانا مہر کے مضامین ''اقبالیات'' کے عنوان سے شائع ہو چکے ہیں۔ امید ہے کہ زیر نظر مجموعہ بھی علمی حلقوں میں قبول عام حاصل کرے گا۔ (ڈاکٹر رحیم بخش شاہین)

اس گھر کو آگ لگ گئی: سلیم قریشی ' عاشور کاظمی۔ ناشر: انجمن ترقی اردو ہند نئی دہلی۔ صفحات: ۲۴۲۔ قیمت: ۱۲۰ روپے۔

۱۸۵۷ سال پہلے ' اسی ماہ مئی میں ہندستان پر قابض انگریز حکمرانوں کی تیار کردہ فوج کی بعض مقامی رجمنٹوں نے میرٹھ ' بریلی اور لکھنؤ وغیرہ میں ''بغاوت'' کرتے ہوئے ' انگریزی عمل داری کے خلاف مزاحمت کا آغاز کیا۔ ''غدر'' کا یہ سلسلہ پورے ملک میں پھیل گیا اور کئی ماہ تک جاری رہا ' مگر

بالآخر انگریزوں سے گلوخلاصی کی یہ کوششیں ناکامی پر منتج ہوئیں - دیگر عوامل کے ساتھ ' اس کی ایک بنیادی وجہ انگریزوں کے زرخرید بہت سے ہندستانی جاسوسوں کی مخبری تھی ' جو وہ انگریزی فوج کے افسروں کے نام بذریعہ خطوط کیا کرتے تھے --- زیرنظر کتاب انھی ''غداروں کے خطوط'' پر مشتمل ہے - یہ خطوط انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ریکارڈ سے حاصل کیے گئے ہیں -

انگریز ' ہندستانیوں کی اس کمزوری سے واقف تھے کہ معمولی سی دولت ' جاگیر ' عہدے یا خطاب کے لالچ سے ان کا ضمیراور قلب و ذہن خریدا جاسکتا ہے - تاریخ بتاتی ہے کہ بعض غداروں اور ضمیر فروشوں نے براہِ راست انگریزوں کی عسکری مدد کی - زیرنظر خطوط سے پتا چلتا ہے کہ مجاہدین کی مشاورت میں شامل بعض غدار ' انگریزوں کو تمام منصوبوں سے باخبر کیا کرتے تھے - بہت سے رجب علی ' گوری شنکر ' کلو اور موہن مفصل علاقوں میں ' مجاہدین کی فوجوں کی نقل و حرکت اور تعداد ' اسلحے کی کیفیت ' توپوں کی تعداد ' جھڑپوں کی تفصیل ' مجاہدین کے معاونین ' آبادیوں کی کیفیت اور مختلف وقوعات سے انگریزوں کو روز بہ روز اور لحظہ بہ لحظہ باخبر رکھتے تھے - ان میں سے بادشاہ کی مشاورتی کونسل کے رکن اور بارودخانے کے داروغہ رجب علی نے شاہی بارودخانہ اور مرزا الٰہی بخش نے جمنا پر کشتیوں کا پل تباہ کر کے انگریزوں کے ہاتھ مضبوط کیے -

مرتبین نے اس کتاب کے لوازمے کی تلاش اور ترتیب وتدوین میں بڑی محنت کی ہے - ابتدا میں عاشور کاظمی نے اپنے سیرحاصل مقدمے (ص ۱۹ تا ۱۷) میں متعلقہ دستاویزات و مخطوطات اور رپورٹوں کی مدد سے ۱۸۵۷ کی ناکام جدوجہد کا پورا پس منظر واضح کیا ہے ' اور آخر میں یہ اہم سوال کیا ہے کہ ''کیا محترم تاریخ دان دانش ور اس موضوع پر تحقیق کریں گے کہ برصغیر میں آج بھی اہل منصب وہی لوگ تو نہیں ' جن کا سلسلہ وہاں سے ملتا ہو ' جہاں سرفروش جانبازوں کے سروں کے معاوضے سے اونچے محل تعمیر کیے گئے---'' بعض اخباروں ' کتابوں ' رپورٹوں اور دستی تحریروں کے عکس بھی شامل کتاب ہیں -

اس کتاب سے انگریزوں کی سازشوں اور سفاکیوں کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ سبق بھی ملتا ہے کہ بعض اوقات آستین کے سانپ اور گھر کے بھیدی ہی اداروں اور تحریکوں کی ناکامی کا بنیادی سبب بنتے ہیں - دشمنوں کے آلۂ کار بن جانے والے مفادپرست ہرزمانے اور ہردَور میں موجود رہے ہیں ' لہٰذا اعلیٰ مقاصد کے لیے کام کرنے والوں کو داخلی محاذ کی حفاظت سے غافل نہیں رہنا چاہیے - (ر - ہ)

پاکستان کا نظام تعلیم ' ماضی وحال کے آئینے میں : حکیم مشاریق احمد خاں - ناشر : باب الشفا '

ایل ۸۸۵ سیکٹر ۵ ایل ، نارتھ ناظم آباد، کراچی۔ صفحات : ۱۳۴۰۔ قیمت : ۷۵ روپے۔
حکیم صاحب نے بڑے خلوص اور مہارت سے پاکستان کے تعلیمی بگاڑ کے اسباب کا سراغ لگایا ہے۔ (دو سو سالہ غلامی کے اثرات ، دہرا نظام تعلیم ، انگریزی کی بالادستی ، اساتذہ اور طلبہ کی نظریاتی اور اخلاقی تربیت سے بے نیازی ، قومی بے حسی ، تحقیق و تصنیف سے غفلت ، حکومت کی ترجیحات میں تعلیم کا پست مقام اور تعلیمی عمل میں جذبہ جہاد کا عدم اہتمام)۔ بقول مصنف : "ہمارے ملک میں بیشتر اہم خرابیوں کے ذمہ دار ہمارے ملک کے ناخواندہ افراد نہیں ہیں۔ رشوت ستانی ، اقربا پروری ، بدعنوانی ، دہشت گردی اور لسانی اور گروہی تعصبات جیسی برائیاں ، جو ہمارے ملک کو گھن کی طرح کھائے جارہی ہیں ، یہ سب ہمارے تعلیم یافتہ طبقے کی پیداوار ہیں"۔ (ص ۹.)
مصنف کے اخذ کردہ نتائج کی بنیاد ، بعض عبرتناک حقائق ہیں ، مثلاً : یہ کہ کالج اور یونی ورسٹی کی سطح پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والوں کا تناسب پاکستان میں صرف ۲ فیصد ہے ، جبکہ بھارت میں ۹ فیصد ، نیپال میں ۲۶ فیصد اردن میں ۳۲ فیصد اور امریکہ میں ۵۶ فیصد ہے۔
مصنف نے پاکستان کے کئی سو سالہ تعلیمی پس منظر کا مختصر مگر جامع جائزہ لیا ہے۔ اسی طرح "نظریہ پاکستان اور تعلیمی تقاضے" ، "پاکستان کا تعلیمی منظر" اور اصلاح احوال کے لیے آخری باب ، موضوع پر مصنف کی عالمانہ دسترس اور معاملہ فہمی ظاہر کرتے ہیں۔ مصنف کے سادہ ، دو ٹوک اور ایک حد تک ادبی اسلوب کی بنا پر واضح ابلاغ اس کتاب کی نمایاں خوبی ہے۔ قیمت زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ (ر - ہ)

ذوق تماشا : پروفیسر شیخ محمد اقبال - ناشر : پاکستان ایسوسی ایشن آف دی بلائنڈ سرگودھا - صفحات : ۱۵۲ - قیمت : ۴۰ روپے -
اس کتاب کا موضوع پاکستان میں نابیناؤں کے مسائل اور ان کا حل ہے - مصنف ان مسائل کا ذاتی تجربہ رکھتے ہیں کیوں کہ وہ دس سال کی عمر میں نابینا ہوگئے اور اس طرح ان مسائل سے نبرد آزما رہے ہیں - اس کشمکش میں کبھی تو انھیں کامیابی ہوئی اور کبھی وہ شکست سے دوچار ہوئے مگر انھوں نے اپنے بقول "کبھی مکمل شکست قبول نہیں کی" - المیہ تو یہ ہے کہ ہم اپنے معذور بھائیوں سے تمام تر ہمدردی کے باوجود ان کے حقیقی (خصوصاً نفسیاتی) مسائل سے ناواقفیت اور بعض غیر معقول رسموں کی بے جا پیروی کرتے ہوئے ان کی مشکلات میں مزید اضافے کا سبب بنتے ہیں - معاشرتی سطح پر ان نادانیوں اور ستم ظریفیوں سے بچنے کے لیے حقائق کا ادراک اور نابیناؤں کے احساسات سے آگاہی بہت ضروری ہے اور یہی اس کتاب کا موضوع ہے - فی الحال تو صورت یہ ہے کہ معذوروں کے مسائل کے

حل کے لیے ہم اس حد تک کوشش نہیں کر رہے جتنی مغرب کے سیکولر اور مفاد پرست معاشرے میں کی جارہی ہے۔

ہمارے بیمار معاشرتی رویوں پر تنقید اور ان کی اصلاح کے لیے بعض تجاویز کے علاوہ' یہ کتاب حکومتی سطح پر کیے جانے والے ان اقدامات کا بھی جائزہ لیتی ہے جو نابیناؤں کے مسائل کے حل کے لیے کیے گئے' جیسے: جنرل ضیاء الحق کے دور میں سرکاری ملازمتوں میں معذوروں کے لیے ایک فیصد کوٹا مخصوص ہوا۔ اس کے باوجود نابیناؤں کے مسائل کے حل کی طرف قابلِ ذکر پیش رفت نہ ہونے کے متعدد اسباب ہیں۔ مصنف کے خیال میں ناکامی کی اہم ترین وجہ یہ ہے کہ ان منصوبوں کی تشکیل اور ان پر عمل درآمد کے سلسلے میں خود معذوروں کی آرا کو کماحقہ' مدِنظر نہیں رکھا گیا۔ خصوصاً ان باہمت نابیناؤں کے خیالات سے بھی استفادہ نہ کرنا افسوسناک ہے جنھوں نے تمام تر مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے مفید اور اعلیٰ تعلیم یافتہ شہری بن کر دکھایا۔ ان قابل قدر اشخاص میں خود کتاب ہذا کے مصنف شامل ہیں جو ایم اے' ایم فل ہیں اور گورنمنٹ کالج سرگودھا کے شعبہ انگریزی میں ایسوسی ایٹ پروفیسر ہیں۔ مصر کے معروف دانش ور' ادیب اور سابق وزیر تعلیم ڈاکٹر طٰہٰ حسین بھی نابینا تھے۔
(ڈاکٹر بلال مسعود)

امریکہ میں مسلمان اور ان کی قیادت : ابراہیم ہمدانی۔ ناشر: اسلامک پبلی کیشنز لاہور۔ صفحات: ۱۵۲۔ قیمت: درج نہیں۔

ابراہیم ہمدانی ۱۹۷۵ سے سیکرامنٹو (کیلی فورنیا' امریکہ) میں امامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ قبل ازیں وہ پاکستان میں شعبہ تدریس سے وابستہ رہے۔ قیامِ امریکہ کے دوران میں انھیں بہت سے تلخ و شیریں تجربات کا سامنا کرنا پڑا' جو اس کتاب کی تحریر کا محرک ہوئے۔

ابتدا میں اسلام کے تصور امامت و قیادت کا علمی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس موضوع پر' حوالہ جات کے صحیح اہتمام کے ساتھ ایسا مختصر مگر جامع جائزہ کم ہی دیکھنے میں آیا ہے۔ پھر اس حوالے سے بتایا گیا ہے کہ اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ اور اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ کے زیر انتظام تمام مساجد میں صدر' امیر اور امام ایک ہی فرد ہوتا ہے' لیکن بعض دیگر مساجد میں مسجد کمیٹی جیسی خود مختار اور حکومتی دباؤ سے آزاد تنظیموں کی صدارت بھی عموماً کسی ایسے شخص کے سپرد کر دی جاتی ہے جو اس منصب کے لیے بالکل ناموزوں ہوتا ہے' اور بعض اوقات مساجد' محافل موسیقی تک کے لیے بھی استعمال کی جاتی ہیں (ص ۸۰)۔

مصنف نے امریکی مسلمانوں کی تاریخ اور مسلم تنظیموں کے بارے میں مفید اعداد و شمار پیش کیے ہیں۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ امریکہ میں مسلم آبادی بڑھ رہی ہے (اور یہودیوں کی آبادی میں کمی واقع ہو رہی ہے) ماضی میں 'چند ایک مساجد کے چرچ میں تبدیل ہونے کے سانحے بھی رونما ہوئے لیکن اب سیاہ فام مسلمانوں کی صحیح اسلام کی طرف مراجعت سے صورت حال بہتر ہو رہی ہے۔ اس کے باوجود مصنف نے بڑے دکھ کے ساتھ بتایا ہے کہ امریکہ میں بے شمار مسلمانوں کی اولاد خدا سے بے نیاز بدترین مادہ پرست تہذیب کی نذر ہو چکی ہے اور لگاتار ہو رہی ہے۔ ''کتنے محمد اور خان جیسے خوب صورت اسلامی ناموں والے افراد امریکی معاشرے میں گم ہو کر غیر مسلم بن گئے؟ مسلمانوں کی کتنی بیٹیاں اسلام سے بغاوت کر چکی ہیں؟'' (ص ۷۰)۔ اس صورت حال کا علاج 'بقول مصنف اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم تھوڑی دیر کے لیے 'الرکمانے کے چکر سے باہر نکل کر--- خود دین اسلام کو سمجھیں اور اس پر دل و جان سے عمل کریں۔ بچوں کے لیے قرآن اور اسلام کی تعلیم کا اہتمام کریں''۔ ان کے خیال میں مسجد کا ادارہ اصلاح احوال کے لیے بنیادی اور فیصلہ کن رول ادا کر سکتا ہے۔

کتاب کے آخری تہائی حصے میں سیکرامنٹو کی مسجد کی امامت کے دوران میں 'مصنف کو پیش آمدہ کچھ تلخ تجربات کا قدرے طویل تذکرہ ہے جو دلچسپ ہے اور سبق آموز بھی--- مجموعی طور پر مصنف کے ہاں حمیت اسلامی 'امریکی مسلمانوں کے بارے میں فکرمندی اور اسلام کے لیے دردمندی کے جذبات نمایاں ہیں۔ معیار اشاعت و طباعت بہت اطمینان بخش ہے۔ قیمت کا درج نہ ہونا افسوس ناک کوتاہی ہے۔ (ب-م)

نیکی کی کلیاں (۶ حصوں میں بچوں کے لیے کہانیاں): ڈاکٹر انعام الحق کوثر۔ سیرت اکیڈمی ۲۷۲' اے' او بلاک ۲' سیٹلائٹ ٹاؤن' کوئٹہ۔ صفحات: کم و بیش۔ قیمت: درج نہیں۔ یونی سیف کے تعاون سے تیار و شائع کردہ مختصر' تعمیری اور اخلاقی کہانیاں' بیش تر سچے واقعات پر مبنی ہیں۔ اسلوب دلچسپ اور زبان سادہ۔ ایک مفید اور کامیاب کاوش۔

عدل کی تلاش ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی۔ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔ صفحات ۵۵۔ قیمت: ۸ روپے۔ بھارت کے مجلے ''زندگی نو'' میں شائع شدہ اداریوں کا مجموعہ۔ عدل و انصاف کی تلاش اور جستجو کی جدوجہد کا مختصر جائزہ۔ مصنف کے بقول 'عدل کا ''حصول خدائی ہدایت سے بے نیاز ہو کر ممکن نہیں ہے''۔